مسئلہ رؤیت ہلال
عقلی ونقلی دلائل
کی روشنی میں

از

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی

مرتب

سفیان الحسینی

ناشر

جمعیت شباب الاسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

مسئلہ رؤیت ہلال

عقلی ونقلی دلائل

کی روشنی میں

از

حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی

مرتب : سفیان الحسینی

ناشر

جمعیت شباب الاسلام

ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ

تفصیلاتِ کتاب

نام کتاب : مسئلہ رؤیت ہلال عقلی ونقلی دلائل کی روشنی میں

زیر اہتمام : عمر سیاف بھٹکلی ندوی

صفحات : ٢٤

تعداد : ١٠٠٠

اشاعت : اگست ٢٠٢٠ء

ناشر : جمعیت شباب الاسلام، لکھنؤ

قیمت : ٣٠

ملنے کے پتے

١- مکتبۃ الشباب العلمیۃ، برولیا، ٹیگور مارگ، لکھنؤ

٢- مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تمہید

والد محترم ۔زید مجدہ ۔ نے رمضان المبارک سے پہلے رؤیت ہلال کے موضوع پر ایک اہم خطاب فرمایا تھا، جس میں قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ، کائناتی حقائق کی طرف بھی رہنمائی کی گئی تھی، خطاب آن لائن (On Line) اور براہ راست (Live) تھا، ہزاروں افراد نے یہ خطاب سنا، اوران کے ذہن ودماغ نے یہ بات قبول کی، اور یہ خواہش ظاہر کی گئی کہ اس کوتحریر میں بھی لے آیا جائے، میں نے پوری تقریر نوٹ کر کے والد صاحب کو دکھائی، انہوں نے اس کو مزید مرتب کر دیا، والد صاحب نے اس موضوع پر برطانیہ میں، مراکش میں، ملیشیا میں اور دیگر ممالک میں خطابات بھی فرمائے تھے، اور پھر مشکاۃ المصابیح کی شرح میں "کتاب الصوم" میں رؤیت ہلال کے موضوع پر محدثانہ اور سائنٹیفک گفتگو بھی فرمائی، اب دنیا کے بہت سے مشہور اور محقق علماء اس سے اتفاق کرتے ہیں، برصغیر میں مدارس کے طلباء کو بھی اس طرح کی تحقیقات سے واقف ہونا چاہئے، اور اپنے ذہنوں اور رویوں میں کشادگی پیدا کرنی چاہئے، مجھے خوشی ہے کہ میں والد صاحب مدظلہ کی اس تقریر کو تحریر میں منتقل کر کے شائع کر رہا ہوں۔

سید سفیان حسینی

بتاریخ: ۱۳ / ذی الحجہ ۱۴۴۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورج و چاند کی گردش، اور ہماری تقویم:

رمضان المبارک کے آغاز میں دو یا تین دن رہ گئے ہیں، قمری مہینہ انتیس (۲۹) کا یا تیس (۳۰) کا ہوتا ہے یہ اس لئے نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یہ نظام طے فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے جو کائنات بنائی ہے اور اس کائنات میں ستاروں، سیاروں کی گردش کا جو نظام بنایا ہے، اور سورج کے گرد زمین کی گردش اور زمین کے گرد چاند کی گردش کا جو نظام اللہ تعالیٰ نے طے کر دیا ہے، وہ ایک کائناتی حقیقت ہے، یہ وہ نظام ہے جس کو دنیا کی ان قوموں نے جاننے کی کوشش کی جنہوں نے فلکیات وحسابات کے موضوع پر پوری توجہ مبذول کی، انہوں نے بڑی محنت کی، بڑی جدوجہد کے بعد شمسی تقویم تیار ہوئی، اب قمری تقویم بھی تیار ہے، اور اگر اس پر شمسی تقویم کی طرح عمل ہوگا تو ظاہر ہے ایک سائنسی عمل ہوگا کیوں کہ اللہ نے سورج و چاند دونوں کو تقویم (جنتری) کا ذریعہ بنایا ہے، اور جو دیگر سیارے ہیں ان کا ہماری زمین سے تقویم کا تعلق نہیں ہے، مریخ، عطارد، یا زحل کا وہ تعلق نہیں ہے کہ ہم ان کے ذریعہ سالانہ جنتری تیار کریں، اور مہینہ کے دن و سال ان کے ذریعہ طے کریں۔

جہاں تک سورج اور چاند کا تعلق ہے ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک ہی میں یہ بات ارشاد فرمادی ہے:

فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ (سورۃ الانعام)	وہی صبح کی پو پھاڑتا ہے، اور اسی نے رات کو سکون کے لئے بنایا ہے، اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے (جنتری) بنایا ہے، یہ زبردست، غالب اور حقیقی علم رکھنے والے کے منصوبے اور نظام ہائے عالم ہیں۔

اس آیت میں اللہ نے یہ فرمایا کہ صبح کی پو اللہ ہی پھاڑتا ہے اور رات کو اس نے سکون کا ذریعہ بنایا ہے، اور سورج و چاند کو حساب کے لئے بنایا ہے، یہ اس کا منصوبہ ہے، جو غالب ہے اور مکمل علم رکھتا ہے۔

سورج و چاند کے ذریعہ حساب اور سال، مہینہ، دن اور تاریخیں طے ہوتی ہیں، یہ دراصل اس کا نظام و طے کردہ منصوبہ ہے جس کا ہی اس کائنات میں نظام چل رہا ہے، جو غالب بھی ہے، اور اس کا علم لامتناہی ہے۔

اسی طرح فرمایا:

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝۵ (سورۃ الرحمٰن)	شمس و قمر اس کے حساب کے پابند ہیں۔

کہ سورج و چاند حساب کے لیے ہیں، اللہ نے ان کے ذریعہ حساب کا ایک نظام بنایا ہے، سورج و چاند کو اللہ نے دنیا کے لوگوں کے لیے جنتری بنادیا ہے۔

اور اسی طرح فرمایا:

وَالْقَمَرَ قَدَّرْنٰهُ مَنَازِلَ حَتّٰى عَادَ كَالْعُرْجُوْنِ الْقَدِيْمِ ۝۳۹ (سورۃ یٰس)	اور چاند کی منزلیں ہم نے طے کر رکھی ہیں، یہاں تک کہ وہ کھجور کی پرانی شاخ کی طرح نظر آنے لگتا ہے (ہلال سے بدر کامل بنتا ہے اور پھر کھجور کی نصف دائرہ نما ٹہنی کی طرح ہلال ہوجاتا ہے۔

یعنی چاند اپنی منزلوں کو طے کرتے کرتے زمین کی پوری گردش مکمل کرلیتا ہے، یہاں تک کہ بالکل ہلال کی شکل میں نظر آتا ہے۔

اسی طرح فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۵ (سورۃ یونس)	اسی نے سورج کو تیز روشنی دی، اور چاند کو (اس کے عکس سے) نورانیت عطا فرمائی، اور ان کا نظام گردش اور ان کے فضائی مقامات متعین فرمائے، تاکہ تم کو سالوں کی تعداد، اور (مہینوں، دنوں، اور گھنٹوں کا) حساب معلوم ہوجائے، ان سب کو اللہ نے صحیح (مقاصد کے لئے) پیدا کیا ہے، اور وہ ان حقائق کو صاف اور واضح طور پر بیان کررہا ہے تاکہ اہل علم فائدہ اٹھائیں۔

وہی اللہ ہے جس نے سورج کی ذاتی اور تیز روشنی بنائی اور چاند کے اندر ایک مستعار روشنی رکھی (سورج کے عکس کے نتیجہ میں چاند کی چاندنی ہے) اور چاند کی رفتار کی منزلیں طے کیں، تاکہ سالوں کی گنتی تمہیں معلوم ہو، یعنی تم سالوں کا اندازہ اور حساب لگا سکو، اور تاریخ طے کرسکو۔

جہاں اس کے بہت سے فائدے ہیں جن کا تعلق زمین کی حرارت و برودت کے نظام سے ہے، وہیں نباتات و جمادات اور انسانوں سے متعلق ان کے بے شمار فوائد ہیں، لیکن یہاں جس سیاق وسباق میں بات کی جارہی ہے اس میں اسلامی جنتری کے نظام کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے، اور پھر فرمایا: کہ اللہ نے جو تخلیق فرمائی ہے برحق تخلیق فرمائی ہے، اور جو لوگ علم رکھتے ہیں، اور اس کے حصول میں لگے رہتے ہیں، ان کے لئے اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ بات پیش فرماتا ہے۔

چاند کے بارے میں سوال اور جواب:

ایسے ہی سورہ بقرہ میں ایک سوال کا ذکر کیا گیا ہے کہ:

یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ	لوگ آپ سے نکلتے اور ڈوبتے ہوئے (مہینوں کے) چاند کے بارے میں پوچھتے ہیں۔

کہ لوگ آپ سے ہلال کے بارے میں پوچھتے ہیں یعنی چاند گھٹتا اور بڑھتا کیوں ہے؟ یہ جو سوال کیا گیا تو اس زمانے میں لوگ ذہنی طور پر اتنے تیار نہیں تھے کہ ان کو ایسٹرونامی (Stronomy) یعنی فلکیات کے سبق پڑھائے جائیں، ظاہر ہے کہ جس کے مبادی ان کے پاس موجود نہیں تھے اس کی بحث کو چھیڑنے کے کوئی معنی نہیں تھے، اس لئے جب کوئی سائل سوال کرے تو یہ دیکھ لینا چاہئے کہ اس کی ضرورت کیا ہے، اس کی سطح اور ذہن کی استعداد کیا ہے، ان باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو جواب ارشاد فرمایا، وہ یہ ہے:

قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ (سورۃ البقرۃ:۱۸۹)	آپ ان سے کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں کے لئے، اور (خاص طور پر) حج کے لئے، اوقات (اور دنوں) کے تعین کے ذریعہ ہیں، (یہ ایک جنتری کا کام کرتے ہیں)۔

یہ لوگوں کے لئے اوقات کا نظام ہے اور خاص طور پر حج کے لئے، جس مقام پر یہ آیت ہے وہاں آگے چل کر حج کے احکام بیان کئے جارہے ہیں، اس لئے یہ بات ارشاد فرمائی گئی کہ یہ حج کی تاریخوں کے تعین کا ذریعہ ہے۔

تشریعی اور تکوینی نظام کی ہم آہنگی:

یہاں سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آ گئی کہ اللہ تعالیٰ کا جو کائناتی نظام ہے، تکوینی نظام ہے وہ اللہ کی تخلیق ہے اور جو اللہ تعالیٰ کا تشریعی نظام ہے یعنی قانونی نظام ہے

وہ بھی اللہ کا فیصلہ کن، اور اسی کا طے فرمایا ہوا ہے، اس لئے اللہ کے تکوینی وتشریعی، آسمانی وزمینی، اور روحانی اور مادی نظام میں کوئی فرق اور کوئی تضاد نہیں ہے، کوئی اختلاف نہیں ہے۔

دین وسائنس میں تفریق کی غلطی:

مشکل یہ ہوتی ہے کہ بہت سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ سائنس ایک الگ چیز ہے، دین ایک الگ چیز ہے، سائنس اس وقت تک الگ ہے جب تک وہ مفروضات وتخیلات پر مبنی ہو، لیکن اسے سائنس کہتے ہی نہیں ہیں، بلکہ وہ چیزیں محض خیالات وتوہمات اور ظن واوہام ہوتے ہیں، لیکن سائنس اسے کہتے ہیں جس کے تجربات اتنے ہوجائیں کہ وہ ایک فیکٹ (Fact) اور حقیقت بن جائے جس کا پھر انکار نہ کیا جاسکے، جو چیز اس درجہ تک پہنچ جائے تو وہ ایک سائنٹفک فیکٹ ہوتا ہے، اور جو چیز حقیقت ہوتی ہے اس کو ماننا ضروری ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو وجود عطا فرمایا ہے تو وہ ایک حقیقت ہے، جیسے سمندر سے بھاپ اٹھتی ہے، اور ایک بلندی اور ٹمپریچر (Temperature) پر پہنچ کر وہ بادل میں تبدیل ہوتی ہے، پھر بادل سے بارش ہوتی ہے، اور زمین کے اندر اس سے روئیدگی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، زمین میں زندگی کی ایک رودوڑ جاتی ہے، اور پھر نباتاتی زندگی وجود میں آتی ہے، یہ تحقیقات بھی ہیں، اور سائنٹفک فیکٹس بھی، بہرحال جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے طے فرمائیں وہ نظام الٰہی کا حصہ ہیں، وہ نظام الٰہی جو فلکیات میں، اس دنیا میں، اس کی فضاؤں میں اور زمین کی تہوں میں جو دھاتیں اور سیال مادے ہیں ان میں کام کررہا ہے، وہ شریعت کے عین مطابق ہے، چوں کہ اللہ کی طرف سے ہی یہ تمام چیزیں پیدا کی گئی ہیں، یہ اس کی مخلوقات ہیں، اور شریعت اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں، اس لئے ظاہر ہے کہ اللہ کے احکام اسکے نظام اور اسکی طرف سے طے کردہ حقائق سے کبھی نہیں ٹکرا سکتے، اس لئے یہ بات ذہنوں سے نکال دینا چاہیے کہ اسلام میں کوئی بات ایسی ہوسکتی ہے جو سائنس کی حقیقت سے ٹکراتی ہو، واقعہ سے الگ ہو، بالکل نہیں۔

اصول حدیث کا ایک ضابطہ:

بلکہ محدثین نے تو یہاں تک کہا کہ اگر کوئی حدیث ایسی ہو جو واقعہ کے خلاف ہو، تو لازماً وہ حدیث قابل تردید ہے، وہ درست نہیں مانی جائی گی، البتہ یہ ضروری ہے کہ واقعہ واقعہ ہو یہ نہیں کہ وہ کوئی مفروضہ یا خیال ہو یا کوئی جھوٹی بات ہو، لہٰذا وہ واقعہ جس کا سب لوگ مشاہدہ کر رہے ہیں، اس سے ہٹ کر کوئی بات کہی جائے تو وہ خرافات یا وہمی بات ہے، یا کسی مراقی دماغ کی اختراع ہے، یا کسی مریض دماغ کا ہذیان ہے، لہٰذا وہ بات صحیح نہیں ہو سکتی، اس لئے بڑے بڑے محدثین نے واقعات کے خلاف اگر کوئی بات کہی گئی ہے، تو اس کو رد کر دیا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہو سکتی، نبی اکرم ﷺ نے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو واقعات، حقائق اور سائنٹفک فیکٹس کے خلاف ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو باتیں لوگوں کو ادھر سو (۱۰۰) سال دوسو (۲۰۰) سال کے اندر معلوم ہوئیں اور آج معلوم ہو رہی ہیں، نبی ﷺ نے اللہ کی وحی کے بنیاد پر یعنی جو علم اللہ نے دیا اس کی بنیاد پر ان حقیقتوں کا اظہار چودہ سو سال پہلے فرما دیا تھا، یہ ایک مستقل موضوع ہے جس پر دسیوں کتابیں لکھی جا چکی ہیں، آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ کورونا وائرس کے بارے میں جو باتیں کی جا رہی ہیں، سوشل ڈسٹنس یا لاک ڈاؤن کی، ان کی بنیادی ہدایات نبی ﷺ نے ساڑھے چودہ سو سال پہلے دے دی تھیں، اور کتنی باتیں حضور اکرم ﷺ نے اس سلسلے میں ارشاد فرمائی تھیں یہ قرآن وسائنس کا، حدیث اور سائنس کا ایک اہم موضوع ہے، بڑے بڑے محققین نے اس موضوع پر لکھا ہے، اور بڑے بڑے پروفیسر ولیکچر حضرات کے بیانات، تقاریر اور تحقیقات سینکڑوں کی تعداد میں اس کے بارے میں موجود ہیں۔

مشہور اور رواجی باتیں:

یہ تمہید میں اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ عام طور پر ایک بات ذہن میں بیٹھ گئی ہے

اور وہ اس طرح چلی آ رہی ہے جیسے وہ متفق علیہ مسئلہ ہو، اور علماء کے درمیان اس سلسلے میں دورائے بالکل نہ ہوں وہ یہ کہ ہمیں چاند آنکھ سے دیکھنا ہے۔

رؤیت کے بارے میں حدیث نبوی کا مطلب:

اور اس سلسلے میں حضور اکرم ﷺ کی جس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے، اس کے ظاہری الفاظ کا جہاں تک تعلق ہے، اس سے یہی سمجھا یا گیا کہ: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته فان غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين يوماً"، (أخرجه البخاري: ۱۹۰۹، ومسلم: ۱۰۸۱، بإسناد صحيح)، آپ نے شعبان کے موقع پر یہ بات ارشاد فرمائی تھی بعض روایات میں "فاقدروا له" کے الفاظ آپ نے ارشاد فرمائے، پہلی روایت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ چاند کو دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند کو دیکھ کر عید شروع کرو، دوسری روایت کا مطلب ہے کہ نہ دیکھو تو اس کا اندازہ لگالو، یہ ترجمہ جو میں کر رہا ہوں رائج ترجمہ ہے، یہاں سے "دیکھنے" کی یہ بات چلی اور ایسی چلی کہ حسابی تحقیقات اور شمسی وقمری تقویم کی تحقیقات سے آنکھیں موند لی گئیں، شمسی تقویم کے بارے میں تو کوئی شبہ ہے ہی نہیں یعنی وہاں جو حسابات ہیں وہ سو فیصد صحیح مان لیے گئے ہیں، لہٰذا کوئی فرق وہاں نہیں پڑتا کہ مہینہ جنوری کا ہے یا فروری کا یا مارچ کا، یہ ایک طے شدہ حساب ہے، اور یہ طے شدہ اس لئے نہیں کہ یورپ وامریکہ نے طے کر لیا ہے، بلکہ یہ اللہ نے طے کیا ہے، یہ اللہ کا نظام ہے، اللہ نے جو سورج بنایا ہے اس کی جو گردش رکھی ہے، اس کا جو سسٹم بنایا ہے، اس کا یہ تقاضا ہے کہ فلاں مہینہ اتنے دن کا ہو، اور فلاں اتنے دن کا، مہینوں کے دنوں اور ناموں کو طے کر لیا گیا اور نام رکھ لئے گئے جو عربی، انگریزی، اردو ہندی اور مختلف زبانوں میں بھی ہیں، ناموں کا جہاں تک تعلق ہے کسی بھی حقیقت کا کسی نام سے تذکرہ ہو سکتا ہے، کوئی نام اختیار کیا جا سکتا ہے، جیسے مثلاً: کوئی "نبی" کہے، کوئی "پیغمبر" کہے کوئی "میسنجر" کہے، کوئی

''پروفٹ'' کہے، کوئی ''اپوسل'' (Apotle) کہے، اللہ کو کوئی ایشور کہے، کوئی یہوہ کہے، کوئی لارڈ کہے، کوئی گارڈ کہے، اگر عقیدۂ توحید ہے تو ان الفاظ سے فرق نہیں پڑتا، الگ الگ زبانوں میں کسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے الگ الگ تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں، اور تعبیرات میں بھی کہیں کہیں پر غلطیاں ہوتی ہیں کہ جو اس کی صفات، خصوصیات وکمالات ہیں کوئی ان کو سمجھتا ہے، اور کوئی نہیں سمجھ پاتا۔

گردش شمس وقمر کا نظام:

بہر حال اللہ کا ہی یہ بنایا ہوا نظام ہے کہ تین سو پینسٹھ (۳۶۵) دن میں زمین اپنی اس گردش کو پورا کرلیتی ہے جو سورج کے گرد ہوتی ہے، اور جہاں تک چاند کا تعلق ہے وہ زمین کے گرد اپنی سالانہ گردش جو ماہانہ گردش پر مبنی ہے تین سو چون (۳۵۴) دن آٹھ گھنٹے اڑتالیس منٹ چھتیس سکنڈ میں پوری کرتا ہے، اور چاند کی زمین کے گرد ماہانہ گردش اٹھائیس دن بارہ گھنٹے چوالیس منٹ تین سکنڈ میں پوری ہوتی ہے، یہ ایک ایسا حسابی نظام ہے جو دو دو چار کی طرح ہے، بہر حال فلکیات کے حسابات طے شدہ ہیں، آج انہیں حسابات کا یہ نتیجہ ہے کہ سٹلائیٹ سسٹم بڑی دقت اور پختگی کے ساتھ کام کر رہا۔

مغربی دنیا نے فلکیات کے نظام سے دنیا کو تسخیر کیا:

یہی وہ سسٹم ہے جس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مغربی دنیا نے راکٹ تیار کیے، جہاز، میزائل اور کمپیوٹر تیار کئے یہ حساب ایسا ہے کہ اک اک منٹ اور اک اک سکنڈ کی اس میں رعایت کی گئی ہے، روزانہ ہم اس کے فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن غور نہیں کرتے، اور پھر خود استفادہ کرکے یا ایجاد کرکے اپنی تحقیقات کو پیش نہیں کرتے، جہاز پر ہم بیٹھتے ہیں جب یہ بتایا جاتا ہے کہ ایک گھنٹہ پندرہ منٹ میں فلاں مقام پر پہونچے گا تو یہ حسابی دنیا، اور فلکیاتی نظام کا ہی کرشمہ ہے، کہ منٹوں اور سکنڈوں کی رعایت کے ساتھ جہاز پہونچتا ہے۔

حساب اور فلکیات میں مسلمانوں کی پیش قدمیاں:

یہ وہ حسابی دنیا ہے جس کے کبھی ہم ماہر تھے، جب ہم کو نبی ﷺ نے حکم فرمایا کہ حساب کا علم حاصل کرو، اور خلفائے راشدین نے بھی اس کی تلقین فرمائی تھی، خاص طور پر میراث کے احکام کا اہتمام کرنے کا حکم دیا گیا، جو حساب ہی پر مبنی ہیں کہ کسی کا ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا، ماں، باپ، بھائی، بیٹا، اور دیگر رشتہ دار کس طرح حق میراث حاصل کریں گے، یہ حساب اتنا دقیق ہوتا ہے کہ ہر شخص کے سمجھ میں نہیں آتا لیکن حضور ﷺ نے فرمایا تھا: ''تعلموا الفرائض'' یعنی میراث کا علم حاصل کرو، ان کے سیکھنے کا مسلمانوں نے اتنا اہتمام کیا کہ دنیا نے یہ اعتراف کیا کہ حسابی دنیا میں مسلمانوں سے کوئی فائق نہیں ہوا، قرآن پاک میں جا بجا سمندر اور کشتیوں کا ذکر کیا گیا ہے مسلمانوں نے بحری سفروں کی مہارت حاصل کی اور دنیا پر اپنی فوقیت کا سکہ جاری کردیا، واشنگٹن میں ایک بڑے میوزم میں میرا جانا ہوا، اس میوزم کے سامنے کی دیوار پر میں نے یہ تحریر دیکھی کہ مغربی دنیا مسلمانوں کی رہین منت ہے، فلکیات اور بحری سفروں کے بارے میں، مسلمانوں نے جو کمپس (Campass) تیار کیا اور جس طرح مسافتوں کو طے کیا، اور اپنے دور تک کی فلکیات کو جس گہرائی کے ساتھ انہوں نے سمجھا، اس میں ان کا کوئی مدمقابل نہ تھا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یورپ مسلمانوں کا شاگرد بن گیا، اور مسلمانوں ہی نے یورپ کو سکھایا، یہ وہ حقیقت ہے جسے ہمیں یاد رکھنا چاہئے۔

غلطی کہاں سے ہوئی:

اور یہ یاد رکھنا چاہئے کہ نبی ﷺ نے ایک بات ارشاد فرمائی تھی جس کو بعض مولوی صاحبان نے ظاہری معنی میں اس طرح لے لیا کہ عقل ان کی سوچ پر حیران ہوجاتی ہے، نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے، ''إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب''، (صحیح الجامع: ۲۲۸۲) ہم ان پڑھ ہیں، ہم نہ لکھتے ہیں، نہ حساب لگاتے ہیں۔

یہ جو بات حدیث میں بیان کی گئی اس کو بعض لوگوں نے اس موقع پر استعمال کر لیا کہ چاند کے بارے میں ہم حساب پر عمل نہیں کرتے، ہم تو ان پڑھ ہیں، سبحان اللہ آپ ان پڑھ ہیں!!! تو پھر قرآن، حدیث، تفسیر، فقہ، نحو، صرف، طب اور تمام علوم کا دعوی کیوں کرتے ہیں؟ اسی پر فخر کیجئے کہ عرب کا جو دور جاہلیت تھا وہی سب سے اچھا تھا، اور جب تک ہم ان پڑھ تھے تو ہم اچھے تھے، یعنی امت کی پہچان یہ ہوئی کہ ہم امی (ان پڑھ) ہیں، نبی اکرم ﷺ نے یہ بات بیان فرمائی تھی کہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم ان پڑھ ہیں، قرآن میں نبی کو بھی امی (ان پڑھ) کہا گیا، پھر اللہ نے سکھانا شروع کیا، اور پہلی وحی میں نبی سے کہا کہ پڑھیئے اور قلم کا تذکرہ فرمایا، تو پڑھنے پڑھانے اور لکھنے لکھانے کا قرآن میں سب سے پہلا حکم آیا اسکے بعد نبی ﷺ نے پڑھانے اور لکھوانے کا جو عمل شروع کیا اس سے تو دنیا بدل گئی۔

امی (ان پڑھ) عالم وعلامہ بن گئے:

دنیا میں اب جہاں کہیں بھی علم کا چراغ جل رہا ہے، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نبی ﷺ کا چراغ جل رہا ہے، ساتویں صدی عیسوی سے علم کے یہ چراغ اگر جلے تو نبی ﷺ کے روشن چراغ سے جلے ہیں، ورنہ دنیا تو ڈارک ایجس (Dark Ages) تاریک دور سے گزر رہی تھی، اور صحیح علم سے بہت دور چلی گئی تھی، آخری نبی ﷺ نے عربوں میں تو علم کو اتنا عام کیا کہ سو فیصد (Cent Percent) لوگ پڑھے لکھے ہو گئے یعنی کوئی جاہل شخص باقی ہی نہیں رہ گیا کیوں کہ آپ کا یہ حکم تھا: "تعلموها وعلموها الناس" کہ سیکھو اور سکھاؤ اور اتنی زیادہ تاکید فرمائی کہ فرمایا: "ألا فليبلغ الشاهد الغائب" جو بھی موجود ہے وہ اس کو پہنچائے جو موجود نہیں، اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں کوئی جاہل باقی نہیں رہ گیا۔

اسلام اور جہالت دو ضدیں ہیں:

اسلام اور جہالت یہ دو ضد ہیں، اور علم اور اسلام کا چولی دامن کا ساتھ ہے، علم سائنس کو کہتے ہیں، سائنس اور اسلام دونوں سگے بھائی ہیں، اسلام ہوگا تو سائنس ہوگی، یعنی نالج ہوگی، علم ہوگا، حقیقت ہوگی، فیکٹس (Facts) ہوں گے اور اسلام ہوگا تو خرافات، توہمات، فضولیات اور ادھر ادھر کی بے کار باتیں نہیں ہوں گی، اسلام کا ان سے کوئی جوڑ نہیں، بلکہ اسلام کا مکمل جوڑ اور تعلق علم اور سائنس سے ہے۔

استدلال کی غلطی:

لہذا اب ایک بات جو سمجھنے کی ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں رویت ہلال کا جب موضوع چھڑتا ہے اور جس حدیث سے استدلال کیا جاتا ہے وہ حدیث "لا تصوموا حتی تروہ" ہے اس کا یہ ترجمہ: کہ جب چاند دیکھ لو تب روزہ رکھو، صحیح نہیں ہے، یہ اس وقت کا آسان حکم تھا جب امت امی تھی (Illiterate) تھی اور اس وقت بھی ہر شخص کا دیکھنا مطلوب نہیں تھا، ایک نے بھی دیکھ لیا، بقیہ کو علم حاصل ہو گیا، تو کافی ہو گیا، نبی ﷺ جن لوگوں کے درمیان برپا ہوئے اگر آپ ان کے درمیان پہلے دن سے سائنسی باتیں شروع کر دیتے، اور حساب کے دقیق مسائل چھیڑ دیتے، تو وہ اپنے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے کہ آپ کیا باتیں کر رہے ہیں، لہذا آپ نے سادگی کے ساتھ اس راستے کو اختیار کیا جو ان کے ہاں معمول بہ تھا، مثلاً فجر کا وقت اس وقت شروع ہوگا جب صبح کی پو چوڑائی میں پھٹے، اگر مشرق سے مغرب کی طرف لمبان میں دھاری ہو، جس کو فجر مستطیل کہتے ہیں، تو وہ فجر کاذب ہے، اور اگر افق پر صبح کے اول وقت میں سفیدی پھیلے تو وہ فجر صادق ہے، فجر کا وقت جو متعین کیا گیا وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، گھڑی سے نہیں، جنتری سے نہیں، اس وقت یہی ممکن تھا، یہی معاملہ تمام اوقات کا ہے۔

نمازوں کے اوقات اور ہلال کا رؤیت سے تعلق کیوں؟

لیکن ایک عرصہ سے پوری امت گھڑی دیکھتی ہے، مسجد میں، ہاتھ میں، موبائل میں، ہر جگہ گھڑی ہے اب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس ہدایت پر عمل نہیں کر رہے ہیں کہ آپ کو افق پر فجر دیکھنا ہے، بلال رضی اللہ عنہ افق کو دیکھتے تھے اور جب ان کو نظر آتا کہ فجر کا وقت ہو گیا ہے تو وہ اذان دیتے تھے، اسی طرح ظہر کے بارے میں فرمایا گیا کہ جب سورج درمیان آسمان سے روبہ زوال ہونے لگے جو استواء کی حالت کہلاتی ہے، اس کے بعد زوال کا وقت شروع ہوتا ہے، اور ظہر کا وقت شروع ہوجاتا ہے، اسی طرح عصر، مغرب، عشاء کی تفصیلات یا اوقات بیان کئے گئے ہیں، سب رؤیت سے متعلق ہیں، آنکھوں سے دیکھنے سے متعلق ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا، عرب اسی سے واقف تھے بلکہ دنیا اس وقت انہیں چیزوں سے واقف تھی، ان کے پاس ایسا کوئی علم نہیں تھا، گھڑی تیار نہیں ہوئی تھی کہ اس کا استعمال کیا جاتا، اس وقت بس افق کو دیکھنا تھا، فضا میں اللہ تعالیٰ نے جنتری کا جو نظام بنایا ہے اس جنتری کو سامنے رکھتے ہوئے وقت معلوم کرنا تھا، لہذا نمازوں کے جو اوقات تھے وہ سب اسی دیکھی جانے والی جنتری سے متعلق تھے، یعنی افق پر جو مظاہر تھے وہ فیصلہ کن تھے، اور انہیں کے ذریعہ وقت طے ہوتا تھا۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوۡكِ الشَّمۡسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيۡلِ وَقُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ ؕ اِنَّ قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ كَانَ مَشۡهُوۡدًا ۝۷۸ (سورۃ الاسراء)	سورج کے زوال سے رات کی تاریکی تک نمازوں کا اہتمام کیجئے، اور فجر کی تلاوت کا خصوصی طور پر اہتمام کریں، بیشک فجر کی تلاوت میں (فرشتوں کی) بڑی حاضری ہوتی ہے (رات اور دن کے فرشتے اس وقت یکجا ہوجاتے ہیں)۔

زوال کے بعد ایک نماز پھر "غسق اللیل" جس میں عصر، مغرب، عشاء کی نمازیں آگئیں، "وقرآن الفجر" فجر کی نماز، پانچوں نمازوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کتنی جامعیت کے ساتھ فرمادیا، اسی طرح قرآن پاک کی مختلف آیات میں اشاروں میں اوقات کا تذکرہ کیا گیا، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب ان کو بیان فرمایا تو ان کی تفصیل اسی طرح بیان کی کہ آنکھوں سے وقت دیکھا جائے، یہی بات ہلال سے بھی متعلق بھی تھی، کہ اسے دیکھا جائے۔

ایک مشہور اور رائج فتوی اور رؤیت کے معنی:

رؤیت الہلال کے بارے میں جو بات مشہور ہوگئی اور ایسا لگتا ہے کہ جیسا امت کا اس پر اجماع ہے، واقعہ یہ نہیں، بہت سی چیزیں ایسی ہیں، جو زیادہ تر لوگوں نے اختیار کرلیں ہیں، لیکن وہ علمی طور پر مدلل نہیں ہیں، آپ قرآن پاک میں دیکھئے رؤیت کا لفظ کتنی کثرت سے صرف علم کے لئے استعمال ہوا، دیکھنے کے لئے نہیں

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَهُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ۖ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا قف ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ۝۲۴۳ (سورۃ البقرۃ)	ان لوگوں کے بارے میں آپ نے غور کیا؟ جو اپنے علاقہ سے ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے نکل پڑے تھے (وبا سے بھاگ کر کسی محفوظ جگہ کی پناہ لینے کے لیے نکل کھڑے ہوئے تھے) تو حکم الٰہی ہوا کہ تم پر موت طاری ہو (اور لاشوں کے ڈھیر لگ گئے) پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندگی سے نوازا (یہ دکھانے کے لئے کہ موت وحیات ہمارے ہاتھ میں ہے) بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا افضل فرماتا ہے، لیکن اکثر لوگ شکر گذار نہیں۔

ظاہر ہے کہ وہ لوگ سیکڑوں سال پہلے نکلے تھے، ان کو دیکھنے کا سوال ہی نہیں تھا، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بات کہی جارہی تھی تو آنکھوں سے اس کے دیکھنے کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا،

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ (سورۃ البقرۃ:۲۴۶)	حضرت موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے اعیان اور ذمہ داروں کے بارے میں بھی کیا آپ نے غور کیا، جب انہوں نے اپنے ایک نبی (حضرت صموئیل) سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ کا تقرر کر دیجئے، (جس کی سرکردگی میں) ہم راہِ خدا میں جنگ کریں، (اور فلسطین کے علاقہ کو آزاد کرائیں) انہوں نے فرمایا کہ ایسا تو نہیں ہوگا کہ تم پر جب جنگ فرض کر دی جائے تو تم جنگ نہ کرو، انہوں نے کہا: ہم راہِ خدا میں جنگ کیوں نہ کریں گے، جب کہ ہم کو ہمارے علاقہ سے نکال باہر کیا گیا، اور ہماری اولاد سے جدا کر دیا گیا!! پھر جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو کچھ لوگوں کو چھوڑ کر اکثر نے روگردانی کی، اور اللہ تو ان نالائقوں اور بدعملوں سے خوب واقف تھا۔

حضرت موسیٰ کے بعد جب کچھ حضرات حضرت سموئیل نبی کے پاس گئے تھے تو کیا تم نے انہیں نہیں دیکھا، ظاہر ہے کہ یہاں "دیکھا" کے معنی آنکھ سے دیکھنا نہیں ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں، اس اسلوب کے ذریعہ انہیں متوجہ کیا جارہا ہے ایک تاریخی حقیقت کی طرف کہ کیا تم اس تاریخی حقیقت سے واقف نہیں ہو، اور جو سوالیہ انداز اختیار کیا جارہا ہے یہ اصلاً متوجہ کرنے کے لیے ہے، وہ جانتے ہوں یا نہ جانتے ہوں کسی کو کوئی تاریخی بات بتانی ہو تو کبھی استعجاب، کبھی سوال، اور کبھی کسی اور اسلوب میں بات بتائی جاتی ہے فرمایا:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ (سورۃ البقرۃ:۲۵۸)	کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جو ابراہیم سے بحث کر رہا تھا۔

یہاں نمرود کا تذکرہ ہے، ظاہر ہے دیکھنے کا یہاں کوئی سوال ہی نہیں، مطلب یہ کہ کیا تمہیں معلوم نہیں، کہیں یوں فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ (سورۃ الحج:۱۸)	کیا تم اس پر غور نہیں کرتے کہ اللہ کے سامنے جھکے ہوئے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں ہیں، اور جو زمین میں ہیں۔

اَلم تر کا لفظی ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ کیا تم نے دیکھا نہیں کہ آسمان وزمین میں جتنی مخلوقات ہیں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہیں، ظاہر ہے ہم تو نہیں دیکھ رہے ہیں کہ درخت سجدہ کر رہا ہے یا کوئی پتھر یا جانور سجدہ کر رہا ہے، ہم یہ ایمان رکھتے ہیں کہ یہ ایک مجازی اور معنوی سجدہ ہے، لہٰذا اس کا تعلق علم سے ہے عقیدہ وفکر سے ہے، آنکھوں کے دیکھنے سے نہیں، مثلاً فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٤١﴾ (سورۃ النور)	کیا دیکھتے نہیں کہ اللہ کی تسبیح وعبادت میں مشغول ہیں وہ سب جو آسمان میں ہیں، اور زمین میں ہیں، اور فضاؤں میں اڑنے والے پرندے، سب کو اپنی نماز وتسبیح کا پتہ ہے، اور اللہ کو معلوم ہے کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ ہم نے تو نہیں دیکھا، تو جواب کیا دیں گے کہ ہم نے نہیں دیکھا کہ درخت یا پرندے تسبیح کر رہے ہیں، البتہ ہم مان رہے ہیں اگر نبی کہہ رہے ہیں، اور اللہ کہہ رہا ہے، اور مان رہے ہیں کا مطلب یہ ہوا کہ ہم ان کے عطا کردہ علم کو صحیح تسلیم کر رہے ہیں،

اور جو علم ہمیں دیا گیا اس کی تصدیق کر رہے ہیں، بہر حال رؤیت کے یہ معنی ہوتے ہیں۔

رؤیت کی حدیثوں کا مطلب اور حساب کی حکمت:

نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو مقصود ہے وہ یہ کہ تمہیں چاند نکلنے کے بارے میں معلوم ہو جانا چاہیے، اس کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک اعرابی (بدو) آیا اور اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے چاند دیکھا تو حضور نے پوچھا کہ تم مسلمان ہو؟ اس نے کہا جی مسلمان ہوں، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے، اور رمضان کا اعلان کر دیا گیا، گویا اب تمام مسلمانوں کے لئے ایک شخص کے دیکھنے کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کافی قرار دے دیا، اور فرمایا لوگ اب رمضان شروع کر دیں، ایک اور روایت عبداللہ بن عمرؓ سے ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آ کر یہ ذکر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے چاند دیکھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی روایت کو قبول کر لیا اور اس کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی کہ ہر شخص اپنی آنکھوں سے دیکھے، کسی ایک کا دیکھ لینا کیوں کافی سمجھا گیا؟! اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سلسلے میں ایک معمولی مسلمان کی بات بھی قبول کر لی گئی، ایک صحابی کی بات قبول کر لی گئی، اور پوری امت کے لئے اس کو کافی قرار دے دیا گیا، معلوم ہوا کہ اگر کسی ایک کی بات۔جس کو دھوکہ لگ سکتا ہے، ہو سکتا ہے اس نے بادل کا کچھ حصہ دیکھ لیا ہو، اور کوئی چیز سامنے آ گئی ہو۔قبول کی جا سکتی ہے، اور عید الفطر، اور عید الاضحیٰ میں دو کی گواہی کو طلب کیا گیا، اور عادل کی شرط بڑھا دی گئی، چوں کہ وہ ایک تہوار اور خوشی و مسرت کا موقع ہے، تو واقفیت کی بنیاد زیادہ مضبوط ہونی چاہئے، اس لئے دو کو کافی قرار دیا گیا، لیکن ظاہر ہے دو شخص کی ایک بات اور محققین، فلکیین، اور ریاضی دانوں، اور ماہرین حساب کی وہ بات جو اک سائنسی فیکٹ بن گئی ہے، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے، اگر اسے علم کے لئے کافی سمجھ لیا گیا، تو بدرجہ اولی سینکڑوں کی سائنسی تحقیق کو زیادہ ترجیح حاصل ہوگی، تو بالکل جس طرح ہم نے نماز کے

اوقات میں اس جنتری کا اعتبار کیا اور اب ہم مسجد میں ٹنگی ہوئی جنتری دیکھتے ہیں، اور گھڑی دیکھتے ہیں، گھڑی دیکھ کر اذان، سحری، اور افطار ہو رہا ہے، اب نہ کوئی سورج کی ٹکیہ دیکھ رہا ہے نہ فجر کی پو پھٹتے ہوئے دیکھ رہا ہے، اور نہ کسی چیز کا سایہ مثل یا مثلین دیکھ رہا ہے، تو کیا وہ نبی کی ہدایت کے خلاف کر رہا ہے؟ آپ کی ہدایت اس لئے تھی کہ علم ہو جائے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تمہیں اتنا علم دے دے کہ تم حسابیات کی بنیاد پر فیصلے کر سکو تو فیصلے ان کی بنیاد پر کرو، ظاہر ہے کہ اگر وہ فیصلے نہ ہوتے اور ہر مؤذن کی یہ ذمہ داری ہوتی کہ وہ فجر کو دیکھے اور پھر اس کے بعد ظہر کے لئے سایہ دیکھے، تو شاید ہر مسجد میں سر پھٹول ہوتی، پنج وقتہ نمازوں میں اذان کے اختلاف پر الزام تراشیاں اور لڑائیاں ہوتیں، کوئی کچھ دیکھتا، اور کوئی کچھ، کسی کی آنکھ کمزور بتائی جاتی، اور کسی کی تیز، یہ سب جھگڑے ہوتے لیکن جنتری نے آج منٹ، سکنڈ طے کر دیے ہیں۔

یہی صورت حال چاند کے بارے میں بھی ہے، اس کی بھی جنتری منٹوں، سکنڈوں کے ساتھ طے ہو گئی ہے، جیسی شمسی تقویم ہے، ویسے ہی قمری تقویم ہے، وہ بھی اللہ کی ایک مخلوق، یہ بھی اللہ کی ایک مخلوق، اس کی بھی گردش، اس کی بھی گردش، اور دونوں کی گردش نپی تلی، جب ایک طرف شمسی تقویم کو ہم قبول کرتے ہوئے نماز کے سارے اوقات اسی کے ماتحت اختیار کر رہے ہیں، جب کہ نصوص حدیث میں دیکھنے کا ذکر ہے، تو اسی طرح چاند کی جنتری پر عمل ہونا چاہئے، کیونکہ نصوص حدیث کا مقصد یہ ہے کہ علم کا حصول ہو، یقین واطمینان ہو، اعتبار ہو، اور یقین کے سلسلہ میں ایک شخص کی روایت رؤیت ہلال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول فرمالی، یعنی اس درجہ کا معمولی یقین بھی کافی ہے، اب اس کے مقابل میں جو یقین ہمیں قمری تقویم سے حاصل ہو رہا ہے وہ ایک ایسی علمی حقیقت اور ایک ایسا (Fact) ہے، حساب وفلکیات کی ایسی حقیقت ہے جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا،

بلکہ جو انکار کرنے والا ہے اس کے پاس دلیل نہیں ہے اور وہ غیر علمی بات کر رہا ہے، جبکہ اثبات کرنے والے کے پاس سو(۱۰۰) دلیلیں ہیں۔

قمری تقویم کو اختیار کرنے کی ضرورت:

اس لئے بہتر شکل یہی ہے کہ قمری تقویم کو بھی اختیار کرلیا جائے، ورنہ آج اسلام کی جوہنسی اڑ رہی ہے کہ ایک ایک شہر میں تین تین عیدیں منائی جارہی ہیں، اور جھگڑے، لڑائیاں، فتنے ہورہے ہیں، اور رؤیت ہلال کی مختلف کمیٹیاں بنی ہیں، ایک دیوبندی کی، ایک بریلوی کی، ایک اہل حدیث کی، برطانیہ اور امریکہ میں مسلمان پریشان ہیں، اور چیختے ہیں کہ یہ مولوی صاحبان اپنی تمام مصیبتیں برصغیر سے لے کر آگئے، انگریز اور دنیا کے سارے لوگ ہنستے ہیں کہ انہیں تاریخ کا پتہ نہیں، اور یہ اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، برطانیہ وغیرہ میں زیادہ تر بادل رہتے ہیں، تو آنکھوں سے تو وہاں دیکھ نہیں پاتے، کوئی سعودیہ یا کسی اور ملک کی تقلید کرتا ہے، کوئی فلکیات کی بنیاد پر عمل کرتا ہے، ایک جھگڑا اور فساد مچا رہتا ہے، امت جوامت واحدۃ ہے، اور جس کی وحدت کے لئے بہت سے جزئیات کو بھی ترک کردیا جاتا ہے، آج اس کی وحدت رؤیت ہلال کے نام سے پارہ پارہ ہوتی چلی جارہی ہے، اگر شمسی تقویم کی طرح قمری تقویم کو بھی ہم قبول کرلیتے تو ان فتنوں اور جھگڑوں سے بچ جاتے اور ایک ابتدائی سنت کے طور پر آنکھوں سے بھی دیکھ لیتے لیکن حساباتی تحقیق پر عمل کرتے تو اس میں ہر طرح کی راحت وسہولت ہوتی، اور قرآن کے الفاظ کی تحقیق پر عمل ہوتا، اور نبی ﷺ کے بیان کی مراد ومنشاء پر عمل ہوتا، جو آپ ﷺ چاہتے ہیں، وہ یہ کہ اطمینان، اور آپس کے اتحاد کے ساتھ حقیقت علم کو اختیار کرتے ہوئے عمل کیا جائے، یہ ایسا قول نہیں جس میں شذوذ ہو۔

جمہور یعنی اکثریت کا قول کبھی فتنہ بن جاتا ہے:

بہت سے لوگوں کی مصیبت یہ ہے کہ کوئی بات بھی کی جائے عوام اور بہت سے علماء کہنے لگتے ہیں کہ ہمارے اکابر واسلاف نے ایسا نہیں کیا یا ہمارے بزرگ یہ نہیں کہتے، یہ غیر علمی باتیں ہوتی ہیں، علم وکتاب کی دنیا میں ان باتوں کی کوئی اہمیت نہیں، لوگوں کو سمجھانے کے لئے اور اس لئے کہ انتشار نہ ہو آپ افہام وتفہیم کا طریق اپنائیں بہت اچھا، لیکن ساتھ ساتھ حقیقتوں سے واقف کرائیں، اور دھیرے دھیرے ان حقائق کی طرف آگے بڑھیں جن سے ملی وحدت بھی وابستہ ہے، اور نظام الٰہی کا تقاضہ ہے جو تکوینی بھی ہے اور تشریعی بھی، اس پر عمل بھی اس کا متقاضی ہے، کہ دونوں کا لحاظ رکھا جائے۔

ذیل میں بعض کبار علماء کی آراء ذکر کی جارہی ہیں:

حضرت مطرف ابن عبداللہ جو تابعی ہیں جن کا انتقال ۹۵ ہجری میں ہوا، وہ بھی اس کے قائل تھے کہ حسابیات پر عمل کیا جائے۔

اسی طرح ابوالطیب ابن مسلمہ (وفات:۳۰۸ھ)

ابوالعباس ابن سریج شافعی بغدادی (وفات:۳۰۶)

عبداللہ ابن مسلم ابن قتیبۃ الدینوری (وفات:۲۷۶)

امام اَبوحامد اسفرائینی (وفات:۴۰۶)

امام قفال (شافعی المسلک: وفات:۳۶۵)

عبدالوہاب ابن وہبان دمشقی حنفی (وفات:۷۶۸)

یہ سب اسی کے قائل تھے، کہ حسابیات پر عمل کیا جائے، اور آج کل کے دور میں تو امریکہ اور یورپ کے اکثر علماء جو جدید علوم سے واقف ہیں، اور فلکیات کی تحقیقات سے

واقف ہیں، وہ بھی اسی کے قائل ہیں کہ قمری تقویم کو اختیار کرنا چاہیے، اور رؤیت کا جہاں تک تعلق ہے وہ علمی رویت ہے، اور علمی رویت آج فلکیات کی ان تحقیقات سے بالکل واضح ہوگئی ہے، اس لئے اس میں زیادہ اعتماد ہے، اور اتفاق اور اتحاد ہے، اور سائنسی علم اس ظنی علم سے بدرجہا قوی اور مضبوط ہے، جس میں صرف ایک شخص کے دیکھنے کی بنیاد پر فیصلہ ہوجاتا ہے، نبی ﷺ نے اس کے لیے بڑی سہولت عطا فرمائی ہے، اور چوں کہ اس وقت لوگ پڑھے لکھے نہیں تھے، حساب سے واقف نہیں تھے، اس لئے آپ ﷺ نے ان کو راحت وسہولت دیتے ہوئے وہ طریقہ بتایا جو فطری اور نیچرل تھا، اور بدویوں کے ہاں رائج تھا کہ فجر کی پو کو پھٹتا ہوا دیکھو، ظہر میں سورج کو ڈھلتا ہوا دیکھو، مغرب میں ڈوبتا ہوا دیکھو، عشاء کے لئے غروب شفق کو دیکھو، وہ باتیں آپ نے ارشاد فرمائیں جو ان کے لئے آسان تھیں، اگر آج ہم اپنی مسجدوں میں ان ہدایات پر اصرار کریں تو مصیبت آجائے گی، اور لڑائیاں اور فتنے ہوں گے کہ افق دیکھو، سایہ دیکھو، شفق دیکھو، اگر ہم یہ کہیں کہ کیوں کہ حضور نے یہ کہا تھا، لہذا موذن صاحب کو حق نہیں کہ جب تک فجر خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں، اور سایہ نہ دیکھ لیں، اور شفق نہ دیکھ لیں، اذان دیں، اگر ہم یہ شرط لگائیں، اور ظل المثل یا ظل المثلین کی بات کریں تو شاید کسی مسجد میں صحیح طور پر نماز نہ ہوسکے، اور اوقات طے نہ ہوسکیں، اب ان کے متبادل کے طور پر جو شمسی جنتریاں بنائی گئی ہیں، جن کے ذریعہ سے دن کے چوبیس گھنٹوں کا نظام طے کردیا گیا ہے، منٹوں سکنڈوں کی تفصیلات کے ساتھ، ہمیں معلوم ہے کہ فجر وظہر کا وقت کب اور عصر ومغرب کا کب شروع ہوتا ہے اور کب ہمیں نماز پڑھنا چاہئے، ہر چیز ہم نے ان گھڑیوں سے طے کر لی ہے، یہ عقل مندی اور سمجھداری کی بات ہے بلکہ دین کے منشاء کو سمجھنے کا یہ نتیجہ ہے۔

شریعت اور سائنس کا اتفاق:

اور پھر میں کہوں گا کہ دین وسائنس میں، اسلام وسائنس میں، احکام اور فیکٹس (Facts) اور واقعات میں، حقیقت اور شریعت میں کوئی فرق نہیں ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ کوئی مفروضہ، یا کوئی بے جا خیال نہ ہو، جو بات ثابت ہوچکی ہو، اس پر عمل کیا جائے، دین کا حکم بھی وہی ہے، اور اس سے الگ نہیں ہے، اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جب آج کل کورونا وائرس کے سلسلے میں لوگ یہ بات کہتے ہیں کہ تحفظ اختیار کیجئے اور دوری بنائے رکھئے، لاک ڈاؤن کا پاس ولحاظ کیجئے، تو ہم اسلام کی بات ہی کررہے ہوتے ہیں، صرف سائنس کی بات نہیں کرتے، سائنس اسلام کے تابع ہے، اور اسلام سائنس پر حاوی ہے، نبی اسلام نے یہی تعلیمات دیں، اس لئے ہمیں ان ہدایات پر عمل میں کوئی بے چینی و پریشانی نہیں ہو رہی، اسی لئے نہ حکومت وانتظامیہ سے کوئی ٹکراؤ، نہ دنیا کے عالمی ادارہ صحت سے کوئی اختلاف، وجہ اس کی یہی ہے، ہم اپنے دین پر عمل کررہے ہیں، لوگوں کا ذہن سائنٹفک بننا چاہئے، ہمارا رویہ حقیقت پسندانہ ہو، واقعہ کے مطابق ہو، بہر حال اس وقت صرف رؤیت ہلال پر مجھے یہ بات ذکر کرنی تھی، جو عام طور پر غیر معروف ہے، اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ نقطہ نظر درست نہیں ہے، اور آنکھوں ہی سے ہمیں دیکھنا ہے، واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک چلی ہوئی بات ہے، اکثریت بہت سی چیزوں کو اختیار کرلیتی ہے، اور وہ چلتی رہتی ہیں لیکن حجت ان کے پاس نہیں ہوتی، حجت ان کے پاس ہوتی ہے جو ان مسائل پر زیادہ غور کرتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں ان کی رہنمائی ایسے نکات کی طرف ہوتی ہے جو نکات حقیقت سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، اور واقعہ کے مطابق ہوتے ہیں۔

ہمیں امید ہے کہ سمجھنے اور غور وفکر کرنے والوں کے لئے اتنی توضیحات کافی ہوں گی۔